فاطمہ رضی اللہ عنہا کا لال

میدانِ کربلا میں

علامہ قمرالزماں خاں اعظمی رضوی

برائے ایصالِ ثواب: مرحوم مولانا محمد الیاس مشتاق برکتی　　مرحوم مولانا محمد یونس مالیگ

نوری مشن مالیگاؤں

پیش کش: رضا لائبریری مالیگاؤں

سلسلۂ اشاعت نمبر ۷۹

بہ فیض: تاج دار اہلِ سنّت مفتیِ اعظم علامہ محمد مصطفی رضا نوری علیہ الرحمہ و حضور تاج الشریعہ مدظلہ العالی

زیر سرپرستی: امینِ ملت حضرت ڈاکٹر سید محمد امین میاں قادری برکاتی مدظلہ العالی، مارہرہ مطہرہ

فاطمہ کا لال

میدانِ کربلا میں

علامہ قمر الزماں خاں اعظمی رضوی

[سکریٹری جنرل: ورلڈ اسلامک مشن، لندن]

حسب ارشاد: علامہ محمد ارشد مصباحی [اعلیٰ حضرت فاؤنڈیشن انٹرنیشنل، یوکے]

ناشر: **نوری مشن** مالیگاؤں

ملنے کا پتا: مدینہ کتاب گھر، اولڈ آگرہ روڈ، مالیگاؤں gmrazvi92@gmail.com

سنِ اشاعت ۱۴۳۷ھ/ ۲۰۱۵ء...... ہدیہ: دُعاے خیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امام حُسین کی وِلادت:

حضرت اُم الفضل بنت الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے خواب دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمِ ناز کا ایک حصہ کٹ کراُن کی گود میں آگیا ہے۔ صبح ہوئی تو وہ بہت گھبرائی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور اپنا خواب بیان کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب سُن کر تبسّم فرمایا کہ اِس میں گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ جلد ہی میری لختِ جگر فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک مبارک بچہ پیدا ہوگا، جس کی پرورش تمہارے ذمے ہوگی۔ یہ سُن کر حضرت اُم الفضل خوش ہوگئیں۔ اِس بشارت کے مطابق حضرت امام حسین کی ولادت ۴/شعبان المعظم ۴ھ کو ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُنا تو بے پناہ مسرور ہوئے اور آپ خود ہی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ارشاد فرمایا: ''میرے بیٹے، میرے لختِ جگر کو میرے پاس لاؤ''...... حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک ریشمی کپڑے میں لپیٹ کر حضرت امام حُسین کو آپ کی گود میں دیا۔ آپ نے اُن کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر فرمائی اور ان کا نام حُسین تجویز کیا اور ارشاد فرمایا کہ ساتویں روز حُسین کا عقیقہ ہوگا اور اُن کے بالوں کے برابر تول کر چاندی خیرات کی جائے گی۔ چوں کہ حضرت امام حُسین کے بڑے بھائی حضرت اِمام حسن کی مدتِ رضاعت ختم نہیں ہوئی تھی اِس لیے دودھ پلانے اور ابتدائی تربیت کی سعادت حضرت اُم الفضل بنت حارث کے حصے میں آئی۔ حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم؛ حضرت فاطمہ کے دونوں شہزادوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حُسین سے بہت زیادہ محبت فرماتے تھے۔ ہر نماز کے بعد آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازے پر تشریف لے جاتے اور ارشاد فرماتے: ''اَلسَّلَامُ عَلَیکُم یَا اَھْلَ الْبَیْت السنوۃ'' یہ سُن کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے دونوں صاحب زادوں کو لے کر حاضر ہوتیں، حضور انھیں اپنی گود میں لیتے، انھیں پیار فرماتے اور پھر اپنے حجرۂ اقدس میں تشریف لے جاتے۔

جب آپ کبھی سفر کا قصد فرماتے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر جاتے، حضرت امام حسن اور حضرت امام حُسین کو گود میں لیتے، دیر تک دُعائیں دیتے رہتے اور اس کے بعد سفر کے لیے تشریف لے جاتے۔ حضرت اُسامہ ابن زید فرماتے ہیں کہ: ایک رات میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درِ اقدس پر حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اِس حالت میں نکلے کہ آپ کے ہاتھ میں ایک چادر تھی جس میں کچھ موجود تھا۔ میں نے پوچھا، حضور چادر میں کیا ہے؟ تو آپ نے چادر کھول دی۔ میں نے دیکھا کہ اُس میں حضرت حُسین لیٹے ہوئے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا، اے اللہ میں انھیں محبوب رکھتا ہوں تو بھی انھیں محبوب رکھ۔

ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم؛ حضرت حُسین کو اپنے دائیں زانو اور حضرت ابراہیم کو اپنے بائیں زانو پر بٹھائے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السّلام تشریف لائے اور انھوں نے فرمایا: یارسول اللہ! آپ اِن دونوں شہزادوں میں سے کسی ایک کو انتخاب فرمالیجیے، اللہ اِن دونوں کو جمع نہ فرمائے گا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں حُسین کا انتخاب کرتا ہوں، اِس لیے کہ حُسین کے انتقال پر میں اور میری لختِ جگر فاطمہ اور علی سب غم گین ہوں گے، اور ابراہیم کا غم تنہا میرا غم ہوگا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ میں نے حُسین پر اپنے لختِ جگر ابراہیم کو قربان کردیا۔

حضرت امام حُسین اِس قدر حَسین تھے کہ جب آپ اندھیرے میں بیٹھے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کی پیشانی سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حُسین مجھ سے ہیں اور میں حُسین سے ہوں۔ جو حُسین کو دوست

رکھتا ہے، اے اللہ تو بھی اُسے دوست رکھ! حُسین میرے بیٹوں میں سے ایک بیٹا ہے۔ حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حسن اور حُسین جنت کے دو پھول ہیں، حسن اور حُسین میرے دو پھول ہیں۔ حسن اور حُسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ حضرت انس نے سوال فرمایا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اہلِ بیت میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا حَسن اور حُسین سے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے حسن کو ہیبت اور سرداری اور حُسین کو سخاوت اور شجاعت عطا فرمائی ہے۔

ایک دفعہ سفر سے پہلے آپ حضرت فاطمہ کے دولت کدے پر تشریف لے گئے تو آپ نے گھر کے اندر حضرت حُسین کے رونے کی آواز سُنی۔ آپ بے قرار ہوگئے۔ آپ نے جناب فاطمہ کو آواز دی۔ آپ کے چہرۂ اقدس پر خفگی کے آثار تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ! کیا تمھیں معلوم نہیں کہ حُسین کے رونے سے مجھے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ ایک دفعہ حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے تھے کہ حضرت حُسین ننھے ننھے قدموں سے آپ کے جسمِ ناز پر چڑھنے لگے۔ آپ نے اُن کے ہاتھوں کو پکڑ لیا اور ارشاد فرمایا: ''اے چھوٹے چھوٹے قدموں والے اوپر آ''...... ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ آپ نے دیکھا، حضرت امام حُسین مسجد کے باہر ننگے قدموں تپتی ہوئی دھوپ میں چلے آرہے ہیں۔ آپ سے اُن کی یہ تکلیف دیکھی نہ گئی۔ آپ نے انھیں گود میں اُٹھالیا اور خطبہ اِس حالت میں دیا کہ امام حُسین آپ کے سینۂ اطہر سے لپٹے ہوئے تھے۔

تعلیم و تربیت:

اس کائنات میں چار اشخاص کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ معلّمِ کائنات حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تعلیم و تربیت خود فرمائی۔ وہ چار حضرات یہ ہیں:

حضرت امام حسن، حضرت امام حُسین، حضرت علی اور حضرت زید۔ رضی اللہ عنہم

حضرت امام حُسین کو جُملہ آدابِ حیات کے ساتھ ساتھ ارکانِ دین کی تعلیم خود حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ نماز کی عملی تربیت دینے کے لیے آپ انھیں اپنے ساتھ مسجد میں لے جاتے۔ حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ فرمائی اور ۱۲/سال کی عمر شریف تک آپ تعلیم کے ساتھ فنونِ جنگ کے ماہر ہوگئے تھے۔ آپ اُن چند صحابہ میں سے ہیں جن کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُن کی کم سِنی کی روایتیں بھی سَند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ آپ حضرت علی کی طرح انتہائی فصیح و بلیغ تھے۔ آپ کے خطبات اور آپ کے اشعار آپ کی عظمتِ علمی کے شاہد ہیں۔

امام حسین جب جوان ہوئے تو اُن تمام خوبیوں کے حامل تھے جو ایک عظیم تر انسان کے لیے ضروری تھیں اور ایسا کیوں نہ ہوتا، آپ کے مربی؛ مربیِ کائنات حضور صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے معلّم باب مدینۃ العِلم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اس کے ساتھ آپ نے ایک ایسی ماں کی آغوش میں پرورش پائی جن کی آغوش سے بڑھ کر کسی ماں کی آغوش کا تصور نہیں کیا جاسکتا، جن کے والد شیرِ خُدا، جن کے نانا رسولِ خدا، جن کی والدہ خاتونِ جنت ہوں اُن کا کیا عالَم ہوگا۔

حُسنِ اخلاق:

آپ کا اخلاق؛ اخلاقِ رسول کا پرتَو تھا، چنانچہ آپ غریبوں پر رحم کرتے، یتیموں اور بیواؤں کی خبر گیری کرتے تھے۔ تمام انسانوں سے پیار اور محبت کے ساتھ پیش آتے تھے۔ زندگی بھر آپ نے کسی کا دِل نہیں دُکھایا، بلکہ آپ ہر دُکھے ہوئے دِل پر

پیار کا مرہم رکھتے تھے۔ امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِرشاد فرماتے ہیں کہ: حضرت امام حُسین محتاجوں اور بیواؤں کے گھر خود کھانا پہنچاتے تھے اور اس سلسلے میں اِس قدر مشقّت اُٹھاتے تھے کہ آپ کی پشت پر نشانات پڑ گئے تھے۔ کبھی کبھی آپ محتاجوں کو اپنے گھر کا کُل اثاثہ دے دیتے اور معذرت کرتے کہ اِس وقت یہی ہے۔ اللہ آپ کو غنی کرے۔ ع

خود بھیک دیں اور خود کہیں منگتا کا بھلا ہو

حضرت امام حُسین نے فرمایا: **ان خیر المال ماوقی بہ العرض۔**

بہترین مال وہ ہے جس سے کسی کی آب رُو بچائی جا سکے۔

ایک مرتبہ ایک کنیز گرم شوربے کا پیالہ لیے ہوئے آپ کی بارگاہ میں حاضر ہُوئی۔ وہ پیالہ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور آپ کی ران پر گر گیا۔ آپ نے خشمگیں نگاہوں سے دیکھا، اُس نے قرآنِ کریم کی یہ آیتِ شریفہ تلاوت کی:

والکاظمین الغیظ...... متّقی لوگ غصہ پی جاتے ہیں۔

حضرت امام حُسین نے جواب دیا: **کظمت غیظی**... مَیں نے اپنا غصہ پی لیا۔

کنیز نے تلاوت کی: **والعافین عن النّاس**... اور اہلِ تقویٰ لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں،

امام حُسین نے فرمایا: **عفوت عنک**... میں نے تمہیں معاف کیا۔

کنیز نے تلاوت کی: **واللہ یحبّ المحسنین**... اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

آپ نے ارشاد فرمایا: **اِذھبی انت حرۃ**... جا، تو آزاد ہے۔

حضرت امام حُسین خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں

یارِ غارِ رسول؛ خلیفۂ اوّل سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب سریر آرائے مسندِ خلافت ہوئے تو اُس وقت حضرت امام حُسین کی عُمر شریف صرف سات سال کی تھی، اِس لیے اس عہد کا کوئی واقعہ تاریخ کی کتابوں میں مذکور نہیں ہے، البتہ متعدد روایات سے یہ پتا چلتا ہے کہ جب آپ راہ میں اِمام حُسین کو مِل جاتے تو اُن کو پیار کرتے اور دیر تک اُن کے ساتھ رہتے یا کہیں آپ کو آتا ہوا دیکھتے تو ٹھہر جاتے تاوقتیکہ آنہ جائیں، یا خود اُن کے پاس تشریف لے جاتے، اُن کی خیریت دریافت فرماتے اور پھر روانہ ہوتے۔

حضرت امام حُسین خلیفۂ دوم عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نگاہ میں

خلیفۂ اوّل کی طرح خلیفۂ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آپ سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔ ایک دفعہ امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب زادے سیّدنا عبداللہ ابن عمر کے ساتھ سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے لیے ان کے دولت کدے پر گئے۔ مگر اندر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مصروفِ گفتگو تھے۔ آپ تھوڑی دیر تک باہر انتظار فرماتے رہے، پھر حضرت عبداللہ ابن عمر کے ساتھ واپس آ گئے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے اُن سے اپنے جانے کا واقعہ بیان فرمایا۔ سیّدنا عمر فاروق نے ارشاد فرمایا: ''شہزادے! واپس ہونے کی کیا ضرورت تھی، میرے پاس جو کچھ ہے وہ آپ کے نانا جان سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیا ہوا ہے۔''

جب مدائن فتح ہوا تو بہت سا مالِ غنیمت مسجدِ نبوی کے اندر آیا، آپ نے جب اُس کو مجاہدین میں تقسیم فرمانا شروع کیا تو آپ نے اپنے صاحب زادے سیّدنا عبداللہ ابن عمر کو ۵۰۰/ درہم اور حضرت سیّدنا امام حُسین کو ۱۰۰۰/ درہم عطا فرمایا۔ سیّدنا عبداللہ ابن عمر نے کہا: ''حضور میں امام حُسین سے عمر میں بڑا ہوں، جب وہ مدینے کی گلیوں میں کھیلتے تھے تو میں معرکوں میں جہاد کرتا تھا۔'' حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: ''عبداللہ چلے جاؤ، پہلے ان کے باپ جیسا باپ، ان کی ماں جیسی ماں، ان کے نانا جیسے نانا اور ان کی نانی جیسی نانی لاؤ پھر کچھ کہو۔ عبداللہ تم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔'' جب ایران فتح ہوا تو نوشیرواں کی پوتی حضرت شہر بانو گرفتار ہو کر آئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں نے ایران کی شہزادی کا عقد دین کے شہزادے امام حُسین سے کرنا منظور کر لیا ہے۔''

مندرجہ بالا واقعات کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفاے اسلام حضرت امام حُسین سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور ہمیشہ اِس بات کا خیال رکھتے تھے کہ حضرت امام حُسین اُن سے راضی رہیں۔ اُنھیں اِس بات کا بھرپور احساس تھا کہ حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم؛ حضراتِ حسنین سے بے پناہ محبت فرماتے تھے اور ان کو اپنا جگر گوشہ اور نگاہوں کی ٹھنڈک قرار دیتے تھے۔

یزید کا کردار:

یزید ۲۵ھ میں بہ عہدِ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ دمشق میں پیدا ہوا، اُس کی والدہ کا نام مسیون تھا، جو قبیلہ بنو کلب کے سردار بحدل ابن انیف کی بیٹی تھیں۔ یزید نے اپنے ننہال میں پرورش پائی۔ چوں کہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام کی زندگیوں سے ہمیشہ دور رہا اِس لیے اُس کے اندر وہ اعلیٰ صفات پیدا نہ ہوسکیں جو اُس دور کے مسلمانوں کا طرّہٗ امتیاز تھا۔ یزید کے اندر بہت سی خراب عادتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ اُس کی طبیعت باغیانہ تھی، مذہب کی اعلیٰ اقدار سے نفرت کرتا تھا، مذہبی مجالس اور مذہبی ماحول سے ہمیشہ دور رہتا تھا، اِس کے برعکس شراب اور رقص وسرود سے دل چسپی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تھی، حضرت عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: ''وہ شام کو شراب پینا شروع کر دیتا ہے تو صبح کر دیتا ہے اور صبح کو شراب پینا شروع کرتا ہے تو شام کر دیتا ہے۔''

''انساب الاشراف للبلاذری''، البدایہ والنہایہ میں علامہ ابن کثیر نے فرمایا: ''یزید کی طبیعت شہوت کی طرف مائل رہتی تھی اور تارکُ الصلوٰۃ تھا۔ ایک دفعہ یزید اپنے ملازمین کو ڈانٹ پھٹکار رہا تھا کہ حضرت امیر معاویہ تشریف لائے اور انہوں نے یزید کو سخت سُست کہا، اور آخر میں ارشاد فرمایا: ''خدا تیرا بُرا کرے، تو اُس پر ظلم کرتا ہے جو تجھ سے مقابلے کی طاقت نہیں رکھتا۔''

مندرجہ بالا واقعات سے یزید کی طبیعت اور اس کے کردار کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرت اِمام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدانِ کربلا میں جو خطبہ دیا تھا اُس کے ایک حصے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یزید اسلام کی حدود کو توڑتا تھا۔ حلال کو حرام اور حرام کو حلال جانتا تھا۔ چنانچہ امام حُسین نے فرمایا تھا:

''آگاہ ہو جاؤ! ان لوگوں نے اللہ کی اطاعت چھوڑ دی ہے۔ شیطان کی اِتباع کرنے لگے ہیں، فتنہ وفساد برپا کرتے ہیں، حدودِ شرعی سے دست کش ہیں، مالِ غنیمت کو اپنا مال تصور کرتے ہیں، حرام کو حلال اور حلال کو حرام تصور کرتے ہیں۔''

ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا کردار کا آدمی جب امیر المومنین اور خلیفۃ المسلمین بن جاتا اور اُس کی بدکرداریوں کو دُنیا کے سامنے بے نقاب نہ کیا جاتا تو وہ اسلام کی صورت مسخ کر دیتا، اسلامی قوانین بدل دیتا، معاشرے کو بُرائیوں سے بھر دیتا، شراب اور زِنا کو عام کر دیتا۔ **الناس علی دین ملوکھم**...... لوگ اپنے بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں...... جب مسلمانوں کا امیر یہ کرتا تو پھر

مسلم معاشرے کا کیا حال ہوتا اِس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِمام حُسین نے یزید کی بیعت سے انکار فرمایا۔ جان دے دی مگر ہاتھ نہیں دیا، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

حضرت امیر مُعاویہ کا انتقال اور یزید کی تخت نشینی:

جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آخری وقت آیا تو اُنھوں نے یزید کو بُلایا اور کہا کہ اب میری زندگی کا آخری وقت ہے۔ اِس لیے میں تم کو وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم اس پر عمل کروگے تو ہمیشہ کامیاب رہوگے۔ میرے بعد جب تم برسرِ اقتدار آنا تو قرآنِ عظیم کی ہدایات پر عمل کرنا، حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی زندگی کو پیشِ نظر رکھنا، تمہارا مقابلہ عبداللہ ابن عمر اور عبداللہ ابن زبیر سے ہوسکتا ہے۔ حُسین سے درگزر کرنا اور ہمیشہ حسنِ سلوک سے کام لینا۔ عبداللہ ابن عمر گوشہ نشین آدمی ہیں، اُن سے مت اُلجھنا۔ البتہ عبداللہ ابن زبیر صاحبِ تدبیر اور طاقت ور ہیں اِس لیے اُن سے جنگ کرسکتے ہو۔

یزید نے اِس وصیت کے جواب میں صرف اِتنی بات کہی کہ میں قرآن پر عمل کروں گا، لیکن حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی سیرت سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہے۔ یہ کہہ کر وہ شکار پر روانہ ہوگیا، اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی جان خدائے قدوس کے سپرد اس حالت میں کی کہ یزید شکار پر تھا۔ حضرت امیر معاویہ کے انتقال کے بعد یزید نے اپنی تخت نشینی کا اِعلان کیا اور اپنی بیعت لینی شروع کی۔ اُس نے مدینہ کے گورنر ولید ابن عتبہ کو حکم بھیجا کہ حضرت امام حُسین، حضرت عبداللہ ابن عمر، حضرت عبدالرحمن ابن ابی بکر، حضرت عبداللہ ابن زبیر سے میری بیعت لی جائے اور اگر یہ لوگ انکار کریں تو انھیں گرفتار کرلیا جائے اور آمادۂ جنگ ہوں تو شہید کردیا جائے۔

ولید ابن عتبہ گورنر مدینہ کے لیے یہ بڑا مشکل مقام تھا، وہ بیعت کا مطالبہ تو کرسکتا تھا مگر ان بزرگ ترین شخصیتوں کے خلاف اعلانِ جنگ اُس کے بس کی بات نہیں تھی، چنانچہ اُس نے حضرت امام حُسین کو طلب کیا۔ حضرت امام حُسین کو معلوم ہوگیا تھا کہ یزید کی بیعت کا مطالبہ ہونے والا ہے، چنانچہ آپ نے اپنے ساتھ جاں نثاروں کا دستہ لیا اور اُن سے کہہ دیا کہ اگر میری واپسی میں زیادہ تاخیر ہوجائے تو دارُ الامارت میں گھس کر مجھے رِہا کرانے کی کوشش کرنا۔ آپ اندر تشریف لے گئے تو ولید ابن عتبہ نے حضرت امیر معاویہ کے انتقال کی خبر دی۔ آپ نے اظہارِ افسوس فرمایا اور ''**اناللہ وانا الیہ راجعون**'' پڑھا۔

اس کے بعد ولید ابن عتبہ نے عرض کیا کہ یزید کا حکم ہے کہ میں آپ سے بیعت لوں یا آپ کو گرفتار کرلوں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ یزید کی بدکرداریوں کے پیشِ نظر میں یزید کی بیعت نہیں کرسکتا۔ میں یزید کو اِس قابل نہیں سمجھتا کہ اُس کو امامتِ کبریٰ کا وہ مصلّی دے دیا جائے جس پر سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاے راشدین کھڑے ہوچکے ہیں۔ ولید ابن عتبہ نے کہا آپ اپنے فیصلے پر نظرِ ثانی کرلیں۔ یہ سُن کر آپ وہاں سے اُٹھے اور واپس چلے آئے۔ دولت کدے پر تشریف لاکر آپ نے اپنے احباب اور جاں نثاروں کو جمع فرمایا اور اُن سے مشورہ فرمایا کہ ہمارا آئندہ اِقدام کیا ہونا چاہیے۔

آپ کے برادرِ عزیز حضرت محمد ابن الحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مشورہ دیا کہ مدینہ طیبہ میں اگر آپ نے قیام فرمایا تو جنگ ناگزیر ہوجائے گی اور اس صورت میں حرمِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے حُرمتی ہوگی، اِس لیے مناسب یہ ہوگا کہ آپ مکہ مکرمہ تشریف لے جائیں اور وہاں حالات کا مطالعہ فرمائیں۔ کم از کم یزید وہاں یہ جرأت نہ کرے گا کہ آپ سے زبردستی بیعت لے۔ حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ مشورہ پسند فرمایا اور اپنے اہلِ خاندان کو اپنے عزم سے مطلع کیا۔

امام حُسین روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر

اس کے بعد حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ؛ حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوئے، سلام عرض کرنے کے بعد یوں عرضِ مدّعا کی:

''نانا جان! آپ کے پردہ فرما جانے کے بعد ہم پر جو مصیبتیں ٹوٹیں اُن میں سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ آج ہم آپ کا روضہ چھوڑ رہے ہیں۔ یارسول اللہ! ہمارا الوداعی سلام لیجیے اور دُعا کیجیے کہ خدا ہر مشکل میں ہمیں ثابت قدم رکھے۔''

حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کے بعد جنت البقیع میں حضرت سیّدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے روضے پر حاضری دی اور عرض کیا:

''آپ کی جُدائی کے بعد ظالموں کو یہ بھی گوارہ نہ ہوا کہ میں آپ کی قبرِ انور کے بھی قریب رہ سکوں۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ مکہ والوں نے میرے آقا میرے نانا جان پر ظلم کیا تھا تو انہوں نے مدینہ میں قیام فرمایا تھا اور آج اُن کا کلمہ پڑھنے والے میرا قیام مدینہ میں ناممکن بنا رہے ہیں۔ اِس لیے میں مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو گیا۔ محترم ماں اپنے حُسین کا آخری سلام لیجیے اور دُعا فرمایے کہ دُنیا کی کوئی تکلیف ہمیں صراطِ مستقیم سے نہ ہٹا سکے۔''

جب آپ مع اہل وعیال رفقا وجاں نثاروں کے مدینۂ طیّبہ سے نکلے تو آپ کے لبِ اقدس پر وہی دُعا تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے لبِ مبارک پر اُس وقت تھی جب وہ مصر چھوڑ رہے تھے یعنی **فخرج منها خائفاً قال رب نجني من القوم الظالمين**۔ اور جب آپ مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ کے لبِ اقدس پر وہی دُعا تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے مدین پہنچ کر کی تھی **فلما توجه تلقاء مدين قال عسى ربي ان يهديني الى سواء السبيل**۔ پس جب مکہ مکرمہ کے پاس پہنچے تو فرمایا: عن قریب اللہ مجھے صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت فرمائے گا۔

آپ ۳؍شعبان ۶۰؍ہجری کو مکہ مکرمہ پہنچ گئے اور وہاں پہنچ کر عبادت وریاضت اور اصلاحِ مسلمین کے کام میں مصروف ہو گئے۔ آپ نے یزید کی تخت نشینی کو فراموش کر دیا اور گوشۂ تنہائی اختیار کر لیا، مگر شُدنی وہ جو بے ہوئے نہ رہے، قدرت کو تو کچھ اور منظور تھا۔ جب اہلِ عراق خاص طور پر اہلِ کوفہ اور اہلِ بصرہ کو یہ اِطلاع ملی کہ حضرت امام حُسین نے یزید کی بیعت سے انکار فرما دیا ہے اور مدینہ طیّبہ چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئے ہیں تو وہ لوگ کوفہ کے ایک رئیس عبداللہ ابن مرو کے مکان پر جمع ہوئے اور انہوں نے یزید کی مخالفت اور امام حُسین کی موافقت میں تقریریں کیں اور اس بات پر زور دیا کہ خلیفۂ برحق حضرت امام حُسین ہیں، ہمیں یزید جیسے فاسق وفاجر کے ہاتھ بیعت کرنے کے بجائے حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہیے اور اُنھیں مجبور کرنا چاہیے کہ وہ کارِ خلافت کو انجام دیں۔ جب ایک صالح ترین قیادت موجود ہے تو پھر ہم یزید کی بیعت پر کیوں راضی ہوں۔ چنانچہ بہ اتفاق رائے، وہیں بیٹھ کر امام حُسین کو خط لکھا گیا جس کے بعض الفاظ یہ ہیں:

''یا امام! آپ تشریف لائیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے ہم کو حق پر جمع کر دے۔ جب آپ تشریف لائیں گے تو ہم یزید کے عامل کو کوفہ سے نکال دیں گے۔ آپ تشریف لائیں، آپ کی مدد کے لیے لشکر تیار ہے۔''

اِسی طرح اہلِ بصرہ ماریہ بنت سعد کے گھر پر جمع ہوئے اور وہاں حضرت امام کے حق میں شعلہ بار تقریریں کی گئیں اور بہت سے خطوط لکھے گئے جن میں زور دیا گیا کہ آپ جلد از جلد تشریف لائیں تا کہ ہم آپ کی بیعت کر کے سعادتِ دارین حاصل کریں۔ آخری خط میں یہاں تک تحریر کر دیا گیا کہ:

''اگر آپ نے ہماری دعوت قبول نہ فرمائی اور یزید امیر المومنین بن گیا تو پھر اُس کی ذات سے دین میں فتنہ پیدا ہوا تو ہم میدانِ قیامت میں خدا اور اُس کے رسول کے حضور میں آپ کی شکایت کریں گے کہ ہم نے اسلام میں اُٹھنے والے فتنوں کے سلسلے

میں امام حُسین سے مدد مانگی تھی مگر انہوں نے انکار فرما دیا اور ہم ظلم کے ہاتھوں میں ہاتھ دینے پر مجبور ہو گئے۔‘‘

مندرجہ بالا خط کو پڑھنے کے بعد اندازہ ہوسکتا ہے کہ امام حُسین نے کس عظیم تر ذمے داری کو محسوس کرتے ہوئے کربلا کا قصد فرمایا تھا۔ چنانچہ آپ نے سیکڑوں خطوط موصول ہونے کے بعد اپنے اہلِ خاندان کو جمع فرمایا اور اُن سے مشورہ کیا۔ سب نے بہ اتفاقِ رائے منع کیا اور کہا کہ کوفہ اور بصرہ کے لوگوں کی وفاداریاں آزمائی ہوئی ہیں۔ اُن لوگوں نے آپ کے والدِ محترم کے ساتھ فریب کیا اور انھیں نقصان پہنچایا۔ یہ آپ کو ضرور نقصان پہنچائیں گے۔ منع کرنے والوں میں حضرت عبداللہ ابن زبیر، عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس اور عبدالرحمن ابن ابی بکر نیز حضرت محمد ابن الحنیفہ اس وقت کی قابلِ قدر شخصیتیں تھیں۔ آپ نے سب کی بات سننے کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کی محبت اور اخلاص بجا مگر وہ لوگ مجھے خدا اور رسول کا واسطہ دے رہے ہیں۔ ایک ظالم اور غاصب کے خلاف دین کی امامت کی عظیم ذمے داری میرے سپرد کرنا چاہتے ہیں، اگر میں نے اُن کی بات نہ مانی اور اُن کی دعوت قبول نہ کی تو عنداللہ مجھ سے مواخذہ ہوگا۔ حضرت امام حُسین نے یہ بھی فرمایا کہ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: میری اُمّت کے ایک فرد کے ذریعے حرمِ مکہ میں خون بہے گا اور بیتُ اللہ کی حرمت تباہ ہوگی۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ شخص میں بنوں۔

حضرت محمد ابن الحنیفہ نے آپ کو مشورہ دیا کہ اگر آپ جانا ہی چاہتے ہیں اور آپ نے عزمِ محکم فرمالیا ہے تو صرف اِتنی بات مان لیجیے کہ پہلے آپ خود نہ جایئے بلکہ اپنے بھائی مُسلم کو روانہ کردیجیے۔ وہ وہاں جا کر آپ کو تفصیلی حالات سے آگاہ کریں۔ اگر وہاں کے حالات واقعی ویسے ہوں جیسے کہ خطوط اور قاصدوں کے ذریعے معلوم ہوئے ہیں۔ تو آپ اللہ کا نام لے کر سفر کیجیے، خدا آپ کا حافظ و ناصر ہو۔ آپ نے اپنے بھائی حضرت مُسلم ابن عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو طلب فرمایا اور کوفہ جانے کے سلسلے میں اُن سے کہا۔ انہوں نے بسر و چشم آپ کے فیصلے کو قبول فرمایا، اور کوفہ جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ حضرت امام حُسین نے کوفہ اور بصرہ کے ذمے دار افراد کو جو خط ارسال فرمایا تھا اُس کا آخری حصہ یہ ہے:

’’جو کچھ تم نے لکھا تھا میں اُس سے مطلّع ہوا، فی الحال میں اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل کو بھیج رہا ہوں۔ اگر تمہارے اُمرا نے اپنے کیے ہوئے وعدوں کے مطابق عمل کیا تو میں بھی جلد ہی عازمِ سفر ہوں گا ان شاء اللہ! بلاشبہہ امام وہی شخص ہوسکتا ہے جو قرآن پر عمل کرے، عادِل ہو اور دینِ حق پر قائم ہو۔‘‘

حضرت امام مسلم اپنے دو کم سِن صاحب زادگان کے ساتھ جب کوفہ پہنچے تو کثیر افراد نے آپ کا استقبال کیا، اور دو روز کے اندر ہی اندر ایک روایت کے مطابق ۱۸؍ ہزار اور ایک روایت کے مطابق ۳۰؍ ہزار افراد نے آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت کرلی۔ عوام کا یہ اشتیاق اور بیعت پر اِس قدر ہجوم دیکھ کر آپ نے حضرت حُسین کے نام ایک خط ارسال فرمایا جس میں تحریر فرمایا کہ: اہلِ کوفہ و بصرہ نے خطوط میں جو وعدے کیے تھے وہ انہوں نے پورے کیے، ایک مضبوط اور مستحکم حکومت کے قیام اور نظامِ عدل کے نفاذ کے لیے راہ مکمل طور پر ہم وار ہے۔ آپ جس قدر جلد ممکن ہو سکے تشریف لائیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ کوفہ کوتاہیوں کا کفّارہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔

کوفہ میں جو لوگ یزید کے ہوا خواہ تھے اُنھوں نے امام مسلم کی تشریف آوری اور اہلِ کوفہ کی بیعت کا حال یزید کو لکھ بھیجا اور اُس سے درخواست کی کہ اگر فوراً کوئی جوابی اقدام نہ کیا گیا تو تمہارے اقتدار کی چولیں ہِل جائیں گی۔ یزید کو جب یہ حالات

معلوم ہوئے تو اُس نے اپنے ایک مشیر سرجون کو بلایا جو یہودی تھا اور اُس سے مشورہ کیا کہ اِن حالات میں ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ سرجون نے مشورہ دیا کہ آپ نے اپنے قریبی عزیز عبیداللہ ابن زیاد کو ہمیشہ نظر انداز کیا، اور کبھی اِس قابل نہیں سمجھا کہ آپ اُس سے مصافحہ کریں، حالاں کہ ایسے موقع پر اُس سے زیادہ مناسب آدمی اور کوئی نہ ہوگا جو آپ کی مدد کر سکے۔ وہ سخت دل، طاقت ور اور ظلم و جبر کا رسیا ہے۔ نرم دلی اُس کے قریب سے بھی نہیں گذری ہے۔ وہ سخت سے سخت حالات پر بھی قابو پا سکتا ہے۔ آپ اُسے بُلایے اور اقتدار میں حصہ دیجیے، اگر ممکن ہو تو کوفہ اور بصرہ کی گورنری پیش کیجیے۔ پھر وہ امام حُسین اور اُن کے اعوان و انصار سے نمٹ لے گا۔

یزید کو یہ مشورہ صائب معلوم ہُوا۔ اُس نے بِلا تاخیر عبیداللہ ابن زیاد کو بُلایا اور اُس سے پہلی بار رفق و ملاطفت کی باتیں کیں اور کوفہ و بصرہ کی گورنری پیش کی۔ عبیداللہ ابن زیاد کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ یزید اُس کو اِس قابل سمجھے گا۔ اُس نے اِس اعزاز پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا، اور وعدہ کیا کہ ہر کام آپ کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ یزید نے عبیداللہ ابن زیاد کو حکم دیا کہ وہ بِلا تاخیر روانہ ہو جائے اور وہاں پہنچ کر حضرت مسلم بن عقیل کو کوفہ سے باہر نکال دے یا شہید کر دے۔

عبیداللہ ابن زیاد نشۂ اِقتدار میں جھومتا ہوا کوفہ کی طرف روانہ ہوا، مگر کوفہ کے قریب پہنچ کر اُسے معلوم ہوا حالات اُس کے قابو سے باہر ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اُس نے اپنا منھ ڈھانک لیا اور حجازیوں جیسے لباس پہن لیے۔ جب وہ کوفہ میں داخل ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ حضرت امام حُسین تشریف لائے ہیں۔ پھر کیا تھا پورا کوفہ استقبال کے لیے ٹوٹ پڑا اور ''یا ابنِ رسول اللہ'' کا نعرہ لگنے لگا۔ عبیداللہ ابن زیاد دل ہی دل میں مُسکراتا ہوا دارالامارت کی طرف بڑھا اور جب وہ دارالامارت کے قریب پہنچا تو کوفہ کے موجودہ گورنر حضرت نعمان ابن بشیر نے یہ آواز بلند کہا: ''اے ابنِ رسول اللہ! آپ دارالامارت میں تشریف نہ لائیں، ہم آپ کو یہاں پناہ نہ دے سکیں گے، ہم یزید کے مامور ہیں۔'' یہ سُن کر عبیداللہ ابن زیاد آگ بگولہ ہو گیا، اُس نے اپنا چہرہ کھول دیا اور کہا: ''میں حُسین نہیں عبیداللہ ابن زیاد ہوں۔ افسوس کہ تمہاری نرمی نے یہ دن دکھایا ہے۔ تم بُزدل ہو۔''

حضرت نعمان ابن بشیر نے جواب دیا: ''اللہ کی اطاعت میں رہتے ہوئے کم زور کہلوانا میرے لیے اللہ تعالیٰ کا گنہ گار بن کر طاقت ور کہلانے سے زیادہ بہتر ہے۔''

عبیداللہ ابن زیاد نے اعلان کیا کہ آج سے میں گورنر ہوں۔ دارالامارت کے باہر مجمع اب بھی۔ یا ابنِ رسول اللہ۔ کا نعرہ لگا رہا تھا۔ اب عبیداللہ ابن زیاد کے اندر تابِ ضبط نہ رہی، وہ دارالامارت کی چھت پر چڑھ گیا اور اعلان کیا:

''اے لوگو! میں حُسین ابن علی نہیں ہوں، عبیداللہ ابن زیاد ہوں۔ پورا عرب میرے کارناموں سے واقف ہے۔ میرے دل میں حدود سے تجاوز کرنے والوں کے لیے رحم و کرم کا کوئی گوشہ نہیں۔ اگر تم میں سے کسی نے یزید کی مخالفت کی تو مخالفت کرنے والوں کا پورا کنبہ اور خاندان اور اُس کے جملہ اعوان و انصار کا خون ہمارے لیے جائز ہوگا، ہم اُنھیں پھانسی پر چڑھا دیں گے اور اُن کے لیے حکومت کی جملہ مراعات چھین لیں گے۔ ہم انھیں آگ میں جھکوا دیں گے۔''

عبیداللہ ابن زیاد نے دھمکیوں کے ساتھ یہ جھوٹا اعلان بھی کیا کہ: یزید کی لاتعداد فوج جلد ہی کوفہ پہنچنے والی ہے۔ میں تنہا نہیں آیا ہوں۔ اتنا سننا تھا کہ کوفیوں کے اوسان خطا ہو گئے اور۔ یا ابنِ رسول اللہ۔ کا نعرہ لگانے والے مجمع میں سے چھٹنا شروع

ہو گئے، یہاں تک کہ چند لمحوں میں پورا دارالامارت خالی ہو گیا۔ اب اُس نے کوفہ کے رؤساو اُمرا کی ایک میٹنگ طلب کی، اور اُس نے اس میٹنگ میں ہر ایک سے پوچھا کہ امام مسلم کہاں مقیم ہیں۔ جب سب نے لاعلمی کا اظہار کیا تو اُس نے اعلان کیا کہ جو امام مسلم کو گرفتار کرے گا اُسے انعام دیا جائے گا اور جو اُن کو پناہ دے گا اُس کے پورے گھر کو قتل کر دیا جائے گا۔

حضرت امام مسلم حضرت ہانی کے گھر میں مقیم تھے، مگر حضرت ہانی کی غیرت نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اپنے معزز مہمان کی اطلاع دارالامارت میں کریں۔ انہوں نے یہ اعلان سُنا اور خاموش رہے۔ اس درمیان میں حضرت ہانی شدید بیمار ہو گئے۔ عبید اللہ ابن زیاد نے سُنا تو اُن کی عیادت کے لیے اُن کے گھر جانے کا ارادہ کیا۔ بعض لوگوں نے حضرت امام مسلم اور حضرت ہانی کو مشورہ دیا کہ جب عبید اللہ ابن زیاد ملاقات کے لیے آئے تو اُس کو قتل کر دیا جائے، مگر دھوکے سے اس قتل کو نہ حضرت ہانی نے پسند فرمایا اور نہ ہی حضرت مسلم نے گوارا کیا۔ عبید اللہ ابن زیاد عیادت کے لیے آیا۔ اس درمیان میں امام مسلم سامنے نہیں آئے مگر اُس نے کسی طرح یہ اندازہ کر لیا کہ حضرت مسلم یہیں مقیم ہیں۔ وہ واپس گیا اور اُس نے اپنے غلام معقل کو کچھ تحائف اور ایک جعلی خط دے کر حضرت ہانی کے ہاں بھیجا۔ اُس نے حضرت ہانی سے جا کر کہا: ''میں بصرہ سے آ رہا ہوں، بصرہ والوں نے حضرت مسلم کو بیعت کے لیے دعوت دی ہے، خط بھیجا ہے اور نذر پیش کی ہے۔'' حضرت ہانی کو اعتبار آ گیا، انہوں نے معقل کی ملاقات حضرت مسلم سے کرا دی۔ فریب کار معقل وہاں سے واپس آیا اور عبید اللہ ابن زیاد کے اس شبہے کی تصدیق کر دی کہ امام مسلم حضرت ہانی کے گھر مقیم ہیں۔

عبید اللہ ابن زیاد نے حضرت ہانی کو گرفتار کرا لیا اور اُن کو شہید کرا کے اُن کا سر دارالامارت سے نیچے پھنکوا دیا۔ حضرت امام مسلم نے جب یہ سُنا، خونِ ہاشمی جوش میں آ گیا، تابِ ضبط نہ رہی، تلوار لے کر باہر نکل پڑے۔ آپ کے نکلتے ہی ہزاروں مسلّح افراد آپ کے ساتھ ہو گئے اور حضرت ہانی کے انتقام کا نعرہ لگاتے ہوئے دارالامارت کی طرف بڑھے۔ عبید اللہ ابن زیاد نے جب ایک پُر جوش مجمع کو دارالامارت کی طرف بڑھتے ہوئے دیکھا تو حضرت امام مسلم کے اُس قاصد کو جو موجودہ حالات کے بارے میں اطلاع دینے کے لیے مدینہ جا رہا تھا، اور جس کو عبید اللہ ابن زیاد نے گرفتار کرا لیا تھا، یہ کہہ کر کہ اگرچہ اسلام میں قاصد کا قتل جائز نہیں ہے، مگر تم لوگوں پر یہ واضح کرنے کے لیے کہ میرے دل میں رحم و کرم کا کوئی جذبہ نہیں ہے، میں اِس قاصد کو قتل کرتا ہوں۔ چنانچہ اس قاصد کو قتل کر کے لاش مجمع کی طرف پھینک دی۔ یہ دیکھ کر ہزاروں افراد کے دل بیٹھ گئے، اُن پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہ لوگ امام مسلم کو تنہا چھوڑ کر منتشر ہو گئے۔ دارالامارت سے ایک فوجی دستہ حضرت امام مسلم کو گرفتار کرنے کے لیے آگے بڑھا، مگر امام مسلم اُس وقت تک جنگ فرماتے رہے جب تک آپ کے بازو شل نہ ہو گئے اور شدت سے آپ پر پیاس کا غلبہ نہ ہو گیا۔

حضرت امام مسلم کی شہادت:

جب حضرت مسلم کے اندر مزید تابِ مقاومت نہ رہی تو آپ کوفہ کی ایک تنگ و تاریک گلی میں چلے گئے۔ فوجی دستے نے آپ کی ہیبت و شجاعت کے سبب آپ کو تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی اور دارالامارت میں اطلاع کر دی کہ امام مسلم کہیں غائب ہو گئے۔ حضرت امام مسلم ایک دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ گئے۔ طوعہ نامی ایک خاتون گھر کے اندر سے نکلیں اور انہوں نے ایک

پریشان حال مسافر کو دیکھ کر پوچھا، آپ کون ہیں اور یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ آپ نے اُن سے پانی مانگا، جب آپ نے پانی نوش فرمالیا تو ارشاد فرمایا: میری محسن خاتون! میرا نام مسلم ابن عقیل ہے۔ یہ سُن کر حضرت طوعہ بہت غم گین ہوئیں اور انہوں نے کہا: لعنت ہو عبیداللہ ابن زیاد پر کہ وہ رسول اللہ کے قرابت داروں کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے۔ پھر انہوں نے عرض کی: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، آپ میرے گھر کو رونق بخشیے۔ میں آپ کی خدمت کروں گی۔ شاید میری یہ خدمت میدانِ قیامت میں میری نجات کا ذریعہ بن جائے۔ حضرت امام مسلم نے ان خاتون کا شکریہ ادا کیا۔ چوں کہ رات ہوچکی تھی اِس لیے نمازِ عشا کے بعد سو گئے۔ رات کو حضرت طوعہ کا بیٹا آیا، طوعہ نے ازراہِ ہم دردی اپنے بیٹے سے کہہ دیا کہ ہمارے کہاں نصیب کہ ہمارے گھر میں آلِ رسول آرام کریں، آج حضرت مسلم ابن عقیل ہمارے مہمان ہیں۔ لڑکا بہت خوش ہوا، ماں بھی بہت خوش تھی۔ ماں صبح محشر کی منتظر تھی جب اُس کی اِس خدمت کا صلہ جنت کی صورت میں ملے گا، اور لڑکا آنے والی صبح کا انتظار کر رہا تھا، جب وہ دارالامارت میں امام مسلم کی اطلاع کر کے اُس انعام کا مستحق ہوجائے گا جس کا اِعلان کیا گیا ہے۔

صبح ہوئی تو لڑکے نے انعام کی لالچ میں دارالامارت میں جاکر مطلع کر دیا کہ حضرت امام مسلم میرے گھر میں چھُپے ہوئے ہیں۔ جب ایک فوجی دستہ حضرت مسلم کو گرفتار کرنے آیا تب طوعہ کو معلوم ہوا کہ بیٹے نے غدّاری کی ہے۔ بہت روئیں پیٹیں۔ اپنے بیٹے کو ہزاروں ملامتیں کیں، حضرت امام مسلم سے رو رو کے معافی مانگی، مگر جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ حضرت امام مسلم دارالامارت میں لائے گئے اور شہید کر دیے گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

امام مسلم کے بچوں کی شہادت:

حضرت امام مسلم کے دونوں صاحب زادگان قاضی شریح کے گھر میں چھُپے ہوئے تھے۔ جب قاضی شریح سے اُن کا چھپائے رکھنا ناممکن ہوگیا اور یقین ہوگیا کہ ابن زیاد کے گماشتے حریص اور دُنیا کے طلب گار فوجی، انعام کے لالچ میں ان شہزادوں کو بھی قتل کر دیں گے تو وہ رات کو شہزادوں کو لے کر نکلے اور ایک قافلے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ امام مسلم کے یتیم بچو! وہ ایک قافلہ مدینہ کی طرف جارہا ہے، تم اُس قافلے میں شامل ہوجاؤ خدا تمہاری حفاظت کرے۔ بچے اپنے انجام کی خطرناکی کا احساس کر کے قافلے کے پیچھے روانہ ہوگئے، مگر اندازے کی غلطی نے اُنہیں قافلے سے جُدا کر دیا۔ رات بھر صحرا کی خاک چھانتے رہے اور صبح ہوئی تو کوفہ کے درو دیوار صاف نظر آرہے تھے۔ ایک درخت کی آڑ میں چھُپ گئے۔ حارث نامی کوفی کی لونڈی اُدھر سے گذر رہی تھی، اُس نے صحرا میں دو پھول کِھلے ہوئے دیکھے تو رُک گئی اور اُس نے پوچھا پیارے بچو تم کون ہو؟ یتیموں نے اپنا ہم درد سمجھ کر سب کچھ بتادیا۔ لونڈی نے ان بچوں کو کلیجے سے لگالیا اور اپنی مالکہ کے پاس لے گئی اور کہا بی بی! کل قیامت میں جن کے ہاتھوں سے لوگ کوثر سے سیراب ہو رہے ہوں گے، آج وہ خود بہت پیاسے ہیں۔ ان پر رحم کرو، انھیں پناہ دو۔ مالکہ نے دیکھا تو اُن کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا، اُنھیں کھانا کھِلایا اور ایک کوٹھری میں سونے کے لیے بھیج دیا۔ رات کو حارث آیا تو اُس نے بتایا کہ آج دن بھر امام مسلم کے بچوں کو تلاش کرتا رہا ہوں۔ کاش وہ مِل جاتے۔ اگر وہ مِل جاتے تو میں مالامال ہوجاتا۔ بیوی نے سمجھانے کی کوشش کی کہ مسلم کے یتیموں کو قتل کرا کے تمہیں کیا ملے گا؟ چند روز کے مال و دولت پر آخرت کو تباہ نہ کرو۔ اُس نے

جھڑک کے کہا بد بخت مجھے نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے، اُس دولت کی ضرورت ہے جو مجھے ایک پَل میں امیر بنا دے۔

اِدھر کوٹھری میں چھوٹے بچے نے خواب میں اپنے والدِ محترم حضرت امام مسلم کو دیکھا اور رونا شروع کر دیا۔ بڑے بھائی نے تسلی دینا شروع کیا، رونے اور تسلی دینے کی آواز حارث نے سُنی تو کوٹھری کے اندر گھُس گیا، دونوں بے گناہ بچوں کو بالوں سے کھینچ کر باہر لایا۔ سامنے بیوی آ گئی اور گڑ گڑا کر کہا: ''خدارا اِن پر رحم کرو، میں نے اِن کو پناہ دی ہے۔'' تو اُس نے دھکا دیا، لونڈی قدموں سے لپٹ گئی تو اُس نے ٹھوکر ماری اور دُنیا کی لالچ میں ڈوب کر اُس نے تلوار کو بے نیام کیا۔ بڑے بچے نے کہا: ''پہلے مجھے قتل کرو۔ باپ کی شہادت کے بعد اپنے چھوٹے بھائی کا محافظ میں ہی ہوں۔ مجھ سے اِس کا قتل دیکھا نہ جائے گا۔'' یہی خواہش دوسرے بھائی نے بھی ظاہر کی۔ حارث نے کہا میرے بازو میں اِتنا کَس بَل ہے کہ میں تم دونوں کی خواہش ایک ساتھ پوری کر سکتا ہوں۔ اُس نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا اور دوسرا ایک ساتھ زمین پر آ رہے۔

حضرت امام حُسین کا سفرِ کوفہ:

حضرت امام حُسین کو حضرت امام مسلم کا وہ خط مِل چکا تھا جس میں اُنھوں نے اہلِ کوفہ کی وفاداری کا یقین دلایا تھا، اِس لیے حضرت امام حُسین ۸ ذی الحجہ ۶۱ ہجری کو مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے۔ چوں کہ وہ ہر طرح سے مطمئن تھے اس لیے اپنے پورے خاندان اور احباب واعزا نیز وفاداروں کے ساتھ یہ سفر شروع فرمایا۔ راہ میں مختلف قبائل کے لوگ شریکِ سفر ہو گئے۔ اِس طرح یہ مختصر سا قافلہ ایک بڑے قافلے میں تبدیل ہو گیا۔ جب آدھا راستہ طے ہو گیا تو راہ میں عرب کا ایک شاعر ملا جس نے امام حُسین کو اطلاع دی کہ ابتداءً کوفیوں کے دل بھی آپ کے ساتھ تھے، اور زبانیں بھی، اور جب عبیداللہ ابن زیاد کوفہ میں آیا اُن کی فطری بُزدلی غالب آ گئی اور اب کوفہ والوں کے دل، اُن کی زبانیں اور اُن کی تلواریں عبیداللہ ابن زیاد کے ساتھ ہیں۔ امام مسلم شہید ہو چکے ہیں، امام مسلم کے بچے بھی شہید ہو گئے ہیں، اس لیے آپ للہ واپس ہو جایے۔

حضرت امام حُسین نے جب یہ سُنا تو بے پناہ غم گین ہوئے۔ سامنے حضرت امام مسلم کی بچی آ گئی، آپ نے اُس کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا تو اُس نے کہا: ''چچا جان! میرے والد صاحب تو خیریت سے ہیں؟ آپ میرے سر پر یتیموں کی طرح کیوں ہاتھ پھیرتے ہیں؟'' ...... یہ سُن کر امام حُسین کی آنکھیں چھلک پڑیں اور ارشاد فرمایا: ''میری لختِ جگر! میرا بھائی میرے اوپر قربان ہو گیا، اب آج سے میں تمہارا باپ ہوں۔'' ...... حضرت مُسلم اور اُن کے صاحب زادوں کی شہادت کی خبر پھیلتے ہی پورے قافلے میں کہرام برپا ہو گیا۔ اپنے اہلِ قافلہ کو بُلا کر واپسی کے سلسلے میں مشورہ کرنا چاہا تو امام مسلم کے جملہ اقربا نے یہ کہا: ''اب ہم واپس نہ جائیں گے، ہم یزید سے جنگ کریں گے، یا تو اللہ ہم کو فتح عطا فرمائے گا یا ہم بھی امام مسلم کی طرح شہید ہو جائیں گے، اُن کے بعد ہماری زندگی بے معنی ہے۔'' ...... کچھ یہی جذبات آپ کے بھی تھے، اِس لیے آپ نے تمام اہلِ قافلہ کو جمع فرمایا اور اُن سے کہا:

''اے اہلِ قافلہ! عراق کے لوگوں نے غداری کی ہے۔ مُسلم ابن عقیل اور اُن کے بچے شہید ہو چکے ہیں، اِس لیے تم میں سے جو واپس ہونا چاہے، وہ واپس ہو جائے۔''

یہ سُن کر وہ لوگ جو راہ میں شریک ہوئے تھے واپس ہو گئے، اب صرف وہ ۷۲ نفوسِ قدسیہ باقی رہ گئے جو مکہ سے ساتھ

چلے تھے۔ ان میں سے ہر ایک نے واپس ہونے سے انکار کر دیا، بالآخر حضرت امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا سفر جاری رکھا اور اُن کا مختصر سا قافلہ ۲ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو اُس مقام پر پہنچا جو کربلا کے نام سے مشہور ہے۔

عمرو ابن سعد جو عبیداللہ ابن زیاد کا کمانڈر انچیف تھا اُس نے حُر نامی طاقت ور اور بہادر سالار کو ایک فوجی دستہ دے کر حضرت امام حُسین کی پیش قدمی کے روکنے کے لیے روانہ کیا۔ حُر جب حضرت امام حُسین کے قافلے کے مدِ مقابل ہوئے تو عرض کی کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ سے یزید کی بیعت لوں۔ اِس سلسلے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ حضرت امام حُسین نے حُر اور اُس کے فوجیوں کو مخاطب کر کے ایک خطبہ دیا اور ارشاد فرمایا:

''اے اہلِ کوفہ! میں خدا اور اس کے بعد تمہارے سامنے ایک معقول عُذر پیش کرتا ہوں کہ میں خود تمہارے پاس نہیں آیا ہوں، بلکہ تم نے جو خطوط روانہ کیے تھے اور اُن میں مجھے یہاں آنے کی دعوت دی تھی اور سیکڑوں وعدے کیے تھے۔ اب اگر تم اپنا وعدہ پورا کرنے کے لیے تیار نہیں ہو تو مجھے واپس جانے دو۔''

یہ سُن کر حُر نے جواب دیا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ اگر آپ بیعت نہ کریں تو میں آپ کو گرفتار کرلوں، مگر میں آپ کو گرفتار نہیں کرتا اور آپ کو مزید غور و فکر کی مہلت دیتا ہوں۔''

۳ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو عمرو ابن سعد خود ایک باقاعدہ فوج لے کر پہنچ گیا اور اُس نے حُر سے کہا کہ: ''تم کو امام حُسین کو گرفتار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ تم نے اپنا کام پورا کیوں نہیں کیا؟''...... حُر نے امام حُسین کی گفتگو کو دُہرا دیا۔ اُس نے جواب دیا: ''میں نے تم کو مصالحت کی گفتگو کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا بلکہ اِس لیے بھیجا تھا کہ تم اُن سے بیعت لو اور یا اُنھیں گرفتار کرلو۔''...... یہ کہہ کر اُس نے نہرِ فرات پر پہرے بٹھا دیے تاکہ حضرت امام حُسین کے قافلے والے پانی نہ حاصل کرسکیں اور حضرت امام حُسین مجبور ہو کر بیعت کرلیں۔ اُس نے حضرت امام حُسین کے پاس پیغام بھیجا کہ اب آپ بیعت کرلیں۔ حضرت امام حُسین نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا: ''میں یزید کی بیعت نہیں کروں گا البتہ میں خون ریزی بھی پسند نہیں کرتا، اِس لیے تم اِن تین تجاویز میں سے ایک تجویز مان لو:

[۱] میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس جانے کی اجازت دو،

[۲] مجھے سرحدی علاقوں میں جانے کی اجازت دو،

[۳] مجھے یزید کے پاس لے چلو میں خود اُس سے گفتگو کروں گا۔''

عمرو ابن سعد نے یہ تجاویز عبیداللہ ابن زیاد کے پاس بھجوا دیں۔ اُس نے جواباً کہلوا بھیجا کہ ہمیں یہ تجاویز منظور نہیں ہیں، انھیں گرفتار کرلو۔ عمرو ابن سعد نے حضرت عباس سے عبیداللہ ابن زیاد کے حکم کے بارے میں کہا کہ: ''اب یا تو آپ لوگ بیعت کرلیں یا جنگ کے لیے تیار ہو جائیں۔''...... حضرت عباس علم دار نے جواب دیا: ''ایک شب کی اور مہلت دو۔''...... آپ نے مہلت اِس لیے مانگی تھی کہ شہادت سے قبل کم از کم ایک پوری شب پورا قافلہ اللہ کی عبادت کرلے اور عمرو ابن سعد نے یہ مہلت اِس لیے دی تھی کہ اِس طرح بھوک اور پیاس میں اضافہ ہو جائے گا اور بوقت جنگ قابو پالینا آسان ہوگا۔

حضرت امام حُسین اور اہلِ خاندان نے ۹ محرم الحرام کا دِن گذار کر پوری رات عبادتِ الٰہی میں گذاری۔ رات کے حصے

میں چند لمحوں کے لیے آپ پر نیند کی سی کیفیت طاری ہوگئی تو آپ نے حضور سیّد عالَم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ وہ تشریف لائے ہیں اور اُن کے چہرۂ مبارک پر سفر کی سی علامتیں ہیں، اور آنکھوں میں آنسو ہیں۔ آتے ہی اُنھوں نے امام حُسین کو گلے سے لگالیا، اور دُعا کی:

اللّٰھمّ أت الحسین صبراً و اجراً۔ اے اللہ! حُسین کو صبر اور اَجر عطا فرما۔

حضرت امام حُسین نے آنکھ کھولی اور ارشاد فرمایا: ''آج کا دن میری زندگی کا آخری دن ہے۔''...... ۱۰ محرم الحرام کی صبح کو امام حُسین امتحان گاہ میں اُترنے کے لیے تیار ہوگئے اور آپ نے اپنی بہن سیّدہ زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:

''اے بہن! خدا پر بھروسہ رکھو، ایک دن سب کو مرنا ہے۔ موت برحق ہے اور ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ اِس کائنات میں خدائے وحدہٗ قدوس کے علاوہ کوئی بھی موجود نہ ہوگا۔ جملہ مسلمانوں کے لیے حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس نمونہ ہے۔ صرف اسی مقدس نمونے کی پیروی کرنا۔ میں تمھیں قسم دیتا ہوں کہ میری شہادت کے بعد نہ واویلا کرنا، نہ مُنھ نوچنا اور نہ گریبان چاک کرنا۔''

حضرت امام حُسین کی حضرت شہر بانو سے درخواست:

صبح عاشورہ کو حضرت امام حُسین نے اپنی شریکِ حیات حضرت شہر بانو سے کہا: ''مجھے افسوس ہے کہ جب سے تم میری زندگی میں داخل ہوئی ہو تم کو غم واندوہ ہی سے ساتھ پڑا ہے۔ تم ناز و نعمت کی پروردہ ہو، نوشیرواں شہنشاہِ ایران کی پوتی ہو، مگر میری زندگی میں تم کو آرام نہیں مِلا۔ اب جب کہ شہادت کا بازار گرم ہے، اور ہم چند لمحوں کے مہمان ہیں، میری درخواست تم سے یہ ہے کہ تم میرے بچوں کو لے کر ایران چلی جاؤ۔ شاید اِس طرح تمہاری اور میرے بچوں کی زندگی محفوظ ہوجائے۔''

حضرت شہر بانو نے جب یہ سُنا تو قدموں سی لپٹ گئیں اور عرض کیا: ''میرے سرتاج! میں جب سے آپ کے قدموں میں آئی ہوں، اپنی قسمت پر نازاں ہوں کہ مجھے شیرِ خدا جیسے باپ، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جیسی ماں اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جیسے نانا ملے ہیں، میں میدانِ قیامت میں ان مقدس چہروں کی زیارت کرسکوں گی اور یہ میرا سب سے بڑا انعام ہوگا۔ میرے سرکار! مجھے اس نازک موقع پر اپنے قدموں سے جدا نہ کیجیے۔ اگر مجھ سے خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شکایت فرمائی کہ تم نے بوقتِ شہادت میرے لختِ جگر کا ساتھ چھوڑ دیا تھا، تو میرا جواب کیا ہوگا؟ رہے میرے بچے؛ فاطمہ کے لال پر قربان، اگر ان کی زندگی ہے تو انھیں کوئی مار نہیں سکتا، اور اگر ان کا مقدر شہادت ہے تو ایران کا سفر انھیں بچا نہیں سکتا۔''

حضرت امام حُسین اپنی بہن سیّدہ زینب اور اپنی شریک حیات سیّدہ شہر بانو رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے رُخصت ہوکر میدانِ جنگ میں تشریف لے گئے اور اپنے رفقا اور اپنے خاندان کے افراد نیز کوفہ کے چند وفاداروں کو جمع فرمایا اور ان کو ایک لشکر کی صورت میں ترتیب دیا اور اُن کی صفیں قائم کیں۔ میمنہ کی قیادت حضرت زبیر ابن القین اور میسرہ کی قیادت حضرت حبیب ابن مظاہر کے سپرد فرمائی اور علَم حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمایا۔ پھر یزید کی قوم کی طرف رُخ کرکے ایک پُرتاثیر خُطبہ دیا

کہ شاید یہ ظالم قوم اپنے ارادوں سے باز آجائے۔ چنانچہ آپ نے حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا:

''اے فوجِ یزید! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے رسول نے میرے بارے میں ارشاد فرمایا تھا کہ حُسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔ آج تم میرے ساتھ جو سلوک کر رہے ہو اُس کی وجہ یہ ہے کہ میں یزید جیسے فاسق و فاجر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ لیکن میں اُس کے ہاتھ پر بیعت کر کے دینِ مصطفی کو فسق و فجور کے حوالے نہیں کرسکتا۔ اگر تم امن چاہتے ہو تو اب بھی موقع ہے، تم مجھے اجازت دو کہ میں واپس چلا جاؤں۔ ورنہ میں جنگ کے لیے تیار ہوں۔ مجھے میری اور بچوں کی شہادت اور اہلِ بیت کی خانہ ویرانی صراطِ مستقیم سے نہیں ہٹا سکتی۔''

اس خطاب کے بعد اور کچھ تو نہیں ہوا، صرف اتنا ہوا کہ عمرو ابن سعد کے لشکر میں حرکت پیدا ہوئی اور حضرت حُر اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکرِ حُسین میں آ ملے اور امام حُسین سے معافی مانگی اور عرض کی کہ: ''اے ابنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں نادِم ہوں کہ میں نے عبیداللہ ابن زیاد کا حکم مان کر آپ کا راستہ روکا۔ مگر اب میں اپنے اِس جُرم کا کفارہ کرنا چاہتا ہوں۔ آپ اجازت دیں کہ میں آپ کی طرف سے جہاد کر کے شہید ہو جاؤں تا کہ اللہ میری توبہ قبول فرمالے۔''...... یہ سُن کر امام حُسین بہت مسرور ہوئے اور ارشاد فرمایا:

انت حر فی الدنیا و الاٰخرہ۔ تم دُنیا اور آخرت دونوں میں آزاد ہو۔

جہاد کی ابتدا:

حضرت حُر کے لشکرِ امام میں شامل ہو جانے کے بعد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ پہلے عربوں کے عام دستور کے مطابق تنہا تنہا جنگ شروع ہوئی۔ چنانچہ یزیدی فوج سے ابن جوزہ نکلا اور اُس نے امام حُسین کو مقابلے کے لیے پُکارا، مگر اس سے پہلے کہ امام حُسین کی طرف سے کوئی جواب ملتا قضاے الٰہی سے اُس کا گھوڑا بدک گیا اور ابنِ جوزہ اس کی پیٹھ سے لٹک گیا اور پالان کی رسّیوں سے پھنس کر گھسٹنے لگا۔ گھوڑا یزید کے لشکر کی طرف بھاگا مگر وہاں پہنچتے پہنچتے میدانِ کربلا کا پہلا گُستاخ دَم توڑ چکا تھا۔ یہ واقعہ اہلِ عبرت کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی تھا، مگر یزید کی فوج کی آنکھوں میں دُنیا ناچ رہی تھی اور وہ آخرت سے بالکل بے خبر تھے، اُن کی آنکھوں پر حرص و ہوس کی پٹّی بندھی ہوئی تھی۔ ابن جوزہ کی موت کے بعد یزیدی لشکر سے یکے بعد دیگرے جنگجو آتے رہے اور لشکرِ حُسین کا ایک ایک مجاہد کئی کئی فوجیوں کو قتل کرتا رہا، یہاں تک کہ دوپہر سے پہلے پہلے امام حُسین کے تمام اعوان و انصار شہید ہو گئے۔ ان شہدا میں اِن حضرات کے نام لوحِ تاریخ پر ہمیشہ تابندہ رہیں گے: حضرت بریر، حضرت مُسلم ابن عوسجہ، عبداللہ ابن عمیر، حبیب ابن مظاہر، زہیر ابن القین، نافع ابن ہلال، عابس ابن ابی شبیب، حنظلہ ابن اسعد، عبداللہ ابن عروہ، عبدالرحمن ابن عزرۃ الغفاری، وغیرہم۔

حضرت حُر رضی اللہ عنہ کی شہادت:

جنگ، عاشورہ کا سورج طلوع ہوتے ہی شروع ہوئی تھی، اور آفتاب ڈھلتے ڈھلتے امام حُسین کے تمام رفقا شہید ہو گئے اور

اب صرف امام حُسین کے اہلِ بیت رہ گئے۔ حضرت حُر پہلے بھی ایک بار دادِ شجاعت دے چکے تھے اور یزید کے کئی بہادروں کو جہنم رسید کیا تھا، مگر دوبارہ جب انہوں نے دیکھا کہ امام حُسین خود کربلا میں جانے کی تیاری کر رہے ہیں تو انہوں نے اجازت چاہی اور عرض کیا کہ حضور ہنوز تمنائے شہادت پوری نہ ہوسکی، اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں پہلے اپنی زندگی کا نذرانہ آپ کے قدموں میں پیش کرسکوں۔ یہ کہہ کر اُنہوں نے امام حُسین کو الوداعی سلام کیا اور لشکرِ یزید پر ٹوٹ پڑے۔ تنہا اس ایک مجاہد نے محبتِ امام میں سرشار ہو کر سیکڑوں کو فیوں کو قتل کیا اور بالآخر زخمی ہو کر گرے تو امام حُسین نے خود بڑھ کر اُنھیں سہارا دیا، اور جب حضرت حُر کی نگاہیں حضرت امام حُسین پر پڑی تو آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے: ''حُر تم نے اپنا وعدہ پورا کیا، تم سے خدا اور خدا کے رسول راضی ہو گئے۔''

حضرت عون رضی اللہ عنہ و محمد رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت حُر کی شہادت کا حضرت امام حُسین کو بے پناہ رنج ہوا۔ اب مکہ مکرمہ سے ساتھ آنے والے اعوان و انصار میں سے کوئی ایسا نہیں رہ گیا تھا، جو امام حُسین کے نام پر جان دیتا، اِس لیے حضرت امام حُسین نے عمامۂ رسول سر پر باندھا، ذوالفقارِ حیدری ہاتھ میں لی اور میدانِ جہاد میں جانے کا قصد ہی فرما رہے تھے کہ آپ نے دیکھا کہ حضرت زینب اپنے دونوں کم سن بچوں کے ساتھ حاضر ہیں اور عرض کر رہی ہیں کہ: ''پیارے حُسین! آج تک آپ نے اپنی بہن زینب کی کوئی بات نہیں ٹالی ہے، اُمید ہے کہ میری آخری التجا بھی ضرور قبول فرمائیں گے۔ میرے یہ دونوں بچے عون و محمد صبح ہی سے اصرار کر رہے ہیں کہ ماموں جان سے میدانِ کربلا میں جانے کی اجازت دِلوا دیجیے، مگر اب تک ٹالتی رہی، اب ان کا اصرار اپنی حد کو پہنچ گیا ہے، اور میں یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ اب آپ تنہا ہیں، اِس لیے اجازت دیجیے کہ زینب اپنے دِل کے ٹکڑوں کو فاطمہ کے لختِ جگر پر قربان کر دے۔''

حضرت امام حُسین نے فرمایا: ''زینب! اب تک جو لوگ شہید ہوئے ہیں وہ جوان یا بوڑھے تھے، مگر اِن بچوں نے زندگی کی کوئی بہار نہیں دیکھی، یہ کھل کر مسکرا بھی نہ سکے ہیں، ماموں کا دل کیسے گوارا کرے گا کہ وہ اپنی بہن کے گلشنِ حیات کے غنچے اپنی آنکھوں سے اُجڑتے ہوئے دیکھے۔ میں نے صبح سے اب تک بہت ستم برداشت کیے ہیں، مگر یہ ستم ناقابلِ برداشت ہوگا۔ بہن! اپنے بھائی پر آخری وقت میں اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ اُٹھا نہ سکے۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ سُنا تو رونے لگیں اور عرض کی: ''حُسین! آپ نے یہ نہیں سوچا زینب اپنی ماں فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے کیا جواب دے گی؟ کاش میری ماں زندہ ہوتیں اور وہ میری سفارش کرسکتیں۔''

حضرت زینب نے یہ جملے کچھ اِس انداز سے کہے کہ حضرت امام حُسین خاموش ہو گئے۔ حضرت زینب نے امام کی خاموشی کو رضامندی پر محمول کرتے ہوئے اپنے بچوں کے سروں پر اپنے ہاتھوں سے عمامہ باندھا، تلوار ہاتھوں میں دی اور کہا کہ: ''ہر ماں اپنے بچوں کے لیے سلامتی سے واپسی کی دُعا کرتی ہے، مگر میری دُعا یہ ہے کہ میرے بچے گلشنِ مصطفیٰ کی آبیاری کریں اور درجۂ شہادت پر فائز ہوں، تاکہ میں اپنی ماں سے کہہ سکوں کہ کربلا میں گئی تھی بھری ہوئی گود لے کر اور آئی ہوں خالی دامن لے کر۔ ماں! میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا ہے۔''

حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دونوں شہزادے میدانِ کربلا میں داخل ہوئے تو زمین لرز گئی، شیرِ خدا کے نواسے جس طرف بڑھتے شانِ حیدری دکھا جاتے۔ یزیدی فوج پوری قوت سے حملہ آور تھی، مگر دو بچوں نے میدان کا نقشہ بدل دیا۔ اب صورت یہ ہوگئی تھی کہ لوگ سامنے آتے ہوئے ڈرتے تھے۔ جب جنگ کرتے ہوئے دو گھنٹے گذر گئے، بازو شل ہو گئے، جسم زخموں سے چوُر چوُر ہو گئے۔ توانائی جواب دے گئی تو افواجِ یزید نے محسوس کرلیا اور یک بارگی حملہ کیا، بچے زخمی ہو کر گرے اور ''ماموں جان اُٹھایئے'' کی آواز آئی۔ امام حُسین میدان کی طرف دوڑے اور حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شہید بچوں کی لاشیں لاکر خیمہ کے سامنے رکھ دیں۔ خیمے میں کہرام مچ گیا۔ زینب کبریٰ نے بچوں کی لاشیں دیکھ کر تبسم فرمایا اور سجدۂ شکر ادا فرمایا اور نگاہیں آسمان کی طرف اُٹھا کر عرض کیا: ''اے اللہ! تیرا شکر ہے کہ تو نے زینب کی قربانی قبول کر لی۔''

حضرت عباس علَم دار رضی اللہ عنہ کی شہادت:

امام حُسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھانجوں کی لاشیں میدانِ کربلا میں دفن فرما دیں، اور روتے ہوئے آپ نے حضرت زینب سے ارشاد فرمایا: ''بہن زینب! تم نے اپنے بھائی کے لیے جس عظیم ایثار کا مظاہرہ کیا ہے، قیامت تک مسلم بہنیں تمہارے اِس ایثار کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں گی اور جب اُن کا کوئی بچہ شہید ہوگا تو تمہاری یاد اُن کے لیے تسکین کا سامان فراہم کرے گی۔''

ابھی خیمہ میں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ حضرت مسلم ابن عقیل کی صاحب زادی نے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دامن تھام کر اپنے خشک ہونٹ اُنھیں دِکھائے اور عرض کی: ''چچا جان! اَب پیاس نا قابلِ برداشت ہوگئی ہے۔'' حضرت عباس نے مشکیزہ اُٹھایا اور نہرِ فرات کی طرف جانے کا ارادہ کیا۔ حضرت امام حُسین نے سمجھایا کہ نہرِ فرات پر پہرہ ہے، پانی لانا ناممکن ہے۔ حضرت عباس نے جواب دیا: ''شہادت ہمارا مقدر ہے، یہ کتنا اچھا ہوگا کہ میں اپنے شہید بھائی حضرت مسلم کی یتیم بچیوں کی خواہش پوری کرنے کی خاطر جان دوں۔'' یہ کہہ کر آپ نہرِ فرات کی طرف روانہ ہوگئے۔ آپ عرب کے بہادر ترین لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے اور بے پناہ خوب صورت تھے۔ آپ نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیروں کی بارش میں نہرِ فرات پر پہنچ گئے۔ سامنے جو بھی آیا وہ قتل ہوگیا۔ ہاتھ جب پانی کے قریب پہنچ گیا تو خیال آیا کہ پانی پی لیں۔ لیکن دوسرا خیال آیا کہ امام حُسین اور مُسلم ابن عقیل کے بچے پیاسے ہیں اور میں پانی پی لوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ یہ سوچ کر مشکیزہ اُٹھایا اور روانہ ہوئے۔ عمرو ابن سعد نے للکار کر کہا: ''اے لوگو! اگر خیمۂ حُسین میں پانی پہنچ گیا تو ان کو شکست دینا مشکل ہوجائے گا، اِس لیے آگے بڑھو اور عباس کو شہید کردو۔'' بیک وقت بے شمار تیروں کی بارش ہوئی اور چاروں طرف سے یزید کے فوجیوں نے نیزوں اور تلواروں سے حملہ کر دیا۔ آپ پر زرارہ نامی نے حملہ کیا، آپ نے اُس کا ہاتھ پکڑ کر جھٹکا دیا اور اُس کا ہاتھ شانوں سے اُکھڑ گیا۔ یہ دیکھ کر ظالموں نے پوری قوت سے حملہ کیا، ایک تلوار اُس بازو پر پڑی جس میں مشکیزہ تھا، آپ نے مشکیزہ دانتوں میں دبالیا اور دوسرے ہاتھ سے تلوار چلانے لگے۔ چند ظالموں نے مشکیزے کو تیروں سے چھلنی کر دیا، یہاں تک کہ اُس میں ایک قطرہ پانی نہ بچا۔ یہ دیکھ کر آپ نے مشکیزہ پھینک دیا، مگر ایک بازو کے کٹ جانے کے بعد ایک ہاتھ سے بہت دیر تک مدافعت ناممکن تھی اِس لیے زخمی ہوکر گرے اور شہید ہو گئے۔

حضرت امام حُسین حضرت عباس کی لاش اُٹھا کر لائے اور حضرت مسلم کی شہزادی سے فرمایا: ''لختِ جگر! تمہاری خواہش کے احترام میں تمہارے چچا عباس؛ بھائی مسلم کے پاس پہنچ گئے۔''

حضرت قاسم ابن امام حسن کی شہادت:

حضرت عباس کی شہادت کے بعد حضرت قاسم جو ابھی نوجوان اور انتہائی خوب صورت تھے۔ حضرت امام حُسین کے پاس آئے اور میدان میں جانے کی اجازت طلب کی۔ حضرت امام حُسین نے فرمایا: ''بھائی کی شہادت کے بعد تمہیں دیکھ کر حضرت امام حسن کو یاد کرلیا کرتا ہوں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تمہاری صورت میں میرے بھائی میرے سامنے موجود ہیں۔ تم کیا چاہتے ہو کہ بھائی کی شہادت کے بعد اُس کی نشانی کو بھی گنوادوں۔'' اِس انکار کے بعد حضرت قاسم نے دوبارہ التجا کی۔ اِس بار التجا کے الفاظ اِس قدر اثر انگیز تھے کہ امام حُسین اِنکار نہ کر سکے اور حضرت قاسم کو جنگ کی اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ نے میدانِ جہاد میں پہنچ کر عمرو ابن سعد کو مخاطب کر کے ایک خطبہ دیا، جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ''میں دیکھ رہا ہوں ایک طرف جنت ہے اور ایک طرف جہنم۔ میں تم کو امام حُسین سے محاربت کر کے جہنم کی طرف بڑھتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تم حُسین کی جنت کو یزید کی جہنم پر ترجیح دو اور جنگ سے باز آجاؤ۔'' لیکن اِس کے جواب میں عمر ابن سعد نے فوج کو یک بارگی حملے کی تاکید کی۔ کئی ظالموں کو قتل کرنے کے بعد امام حسن کا لختِ جگر اپنے چچا کے وقار و ناموس پر قربان ہو گیا۔

حضرت قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد ابوبکر ابن حسن اور حضرت علی کے دو صاحب زادے محمد الادسا [جو امامہ بنت ابی العاص کے بطن سے تھے] اور عبداللہ [جو حضرت ام البنین کے بطن سے تھے] یکے بعد دیگرے میدان میں آئے اور جامِ شہادت نوش فرمایا۔

حضرت علی اکبر رضی اللہ عنہ کی شہادت:

حضرت قاسم، حضرت ابوبکر ابن حسن اور حضرت محمد الادسا نیز حضرت عبداللہ کی شہادت کے بعد اب خیمۂ حُسین میں حضرت امام حُسین کے دو صاحب زادوں کے علاوہ کوئی نہیں تھا، جن میں حضرت امام زین العابدین شدید بیمار تھے اور اُن کے اندر اُٹھنے کی بھی تاب نہیں تھی۔ اِس لیے امام حُسین نے ایک مرتبہ پھر رَن میں جانے کا قصد فرمایا، مگر اِس بار نظر اُٹھائی تو حضرت علی اکبر ہتھیار لگائے میدان میں جانے کے لیے تیار تھے۔ امام حُسین نے دیکھا تو کلیجہ تھام لیا اور ارشاد فرمایا: ''میرے لختِ جگر! کیا گلشنِ مصطفی میں ایک پھول بھی باقی نہ بچے گا؟'' حضرت علی اکبر نے عرض کی کہ ''ابا جان! یہ میری غیرت کے منافی ہے کہ میں میدانِ جہاد میں نہ جاؤں۔ پھوپھی جان کے دو بچے شہید ہو چکے ہیں، بھائی قاسم نے جان کا نذرانہ پیش کر دیا ہے۔ یہ لوگ دادا جان حضرت علی شیرِ خدا کے حضور اور آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور سُرخ رُو ہو چکے ہیں۔ اب مجھ کو بھی سُرخ رُو ہونے کا موقع عطا فرمایے۔''......امام حُسین خاموش ہو گئے تو حضرت علی اکبر کی والدۂ محترمہ حضرت شہر بانو نے التجا کی: ''میرے سرکار! میرے لختِ جگر کی التجا پوری کر دیجیے۔''

حضرت امام کے لب پر مُہرِ سکوت تھی اور خیمۂ حُسین میں ایک کُہرام بپا تھا۔علی اکبر نے ماں اور پھوپھی کو سلام عرض کیا، اور باپ سے استقامت کی دُعا لی اور میدان کی طرف بڑھے۔عمرو ابن سعد نے آواز دی:''علی اکبر! ابھی ابھی حسن کی نشانی خاک و خون میں تڑپ چکی ہے، اب تم اپنی زندگی سے کیوں بیزار ہو گئے ہو؟'' علی اکبر نے اس کا کوئی جواب نہ دیا اور ارشاد فرمایا: ''موت وحیات دستِ قدرت میں ہے، عزت و ذلّت دینے والا وہی ہے، کچھ لوگ زندگی بچا کر ذلّت کا طوق گلے میں پہنتے ہیں، اور کچھ زندگی اللہ کی راہ میں دے کر حیاتِ ابدی کا لباس پہن لیتے ہیں۔تُو ہمیں موت سے ڈراتا ہے، موت ہمارے لیے زندگی کا پیغام ہے۔'' اِس تقریر کے جواب میں عمرو ابن سعد نے ایک تیر پھینکا، اب ذوالفقارِ حیدری بے نیام ہوئی اور پے در پے پانچ آدمی فنا کے گھاٹ اُتر گئے۔اس کے بعد جو بھی آیا وہ قتل ہوا۔تنہا علی اکبر نے یزیدیوں کے دلوں پر اس قدر خوف بٹھا دیا کہ اب پوری فوج بھیڑ اور بکریوں کی طرح بھاگ رہی تھی، دُشمن دور دور سے تیر برسا رہا تھا، نیزے پھینک رہا تھا، مگر قریب آنے کی کسی میں جرأت نہیں تھی۔ اِدھر حضرت علی اکبر زخموں سے چوُر چوُر ہو چکے تھے۔عمرو ابن سعد نے یہ حالت دیکھی تو ایک بار پھر اپنی فوج کو للکارا اور کہا کہ:''تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تنہا ایک جوان پوری فوج پر بھاری ہے، جب کہ وہ دو روز کا بھوکا اور پیاسا ہے!'' کسی نے جواب دیا تھا:''عمرو ابن سعد! تُو مقابلے میں کیوں نہیں جاتا؟ ہم دیکھ رہے ہیں کہ علی اکبر کی تلوار قضا بن کر سروں پر کوندتی ہے اور سر و تن کے فیصلے کر دیتی ہے۔ظالم! تُو اپنے اقتدار کی عمارت ہماری لاشوں پر کھڑی کرنا چاہتا ہے!'' مگر یزیدیوں کے شور میں احتجاج کرنے والوں کی آواز دَب گئی۔اِدھر حضرت علی اکبر اِس قدر زخمی ہو گئے کہ گھوڑے پر بیٹھا رہنا بھی دُشوار ہو گیا۔یزید کے فوجیوں نے اِس کیفیت کو بھانپ لیا اور یک بارگی پوری قوت سے حملہ کر دیا۔حضرت علی اکبر شہید ہو کر گرے تو عمرو ابن سعد نے آواز دی''حُسین! اپنے لختِ جگر کی لاش لے جاؤ۔''

حضرت اصغر رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت:

حضرت علی اکبر کی لاش کو ریگ زارِ کربلا کے حوالے کرنے کے بعد جب امام حُسین خیمے میں تشریف لائے تو حضرت شہر بانو نے شیر خوار بچے حضرت اصغر کا لب امام حُسین کو دکھایا اور درخواست کی کہ:''میرا بچہ چند لمحوں کا مہمان ہے۔آپ انھیں یزیدیوں کے پاس لے جائیں، اور عمرو ابن سعد سے کہیں، تُو بھی صاحبِ اولاد ہے، تجھے اولاد کا درد تو ہوگا، میرے بچے پہ رحم کھا اور اسے چند گھونٹ پانی کے دے دے۔''......حضرت امام حُسین نے جواب دیا:''شہر بانو! میں تمہاری خواہش پوری کروں گا، مگر مجھے اُمید نہیں ہے کہ یزیدی میرے بچے پر رحم کھائیں گے۔''......کربلا کا میدان لوُ سے جھُلس رہا تھا۔امام حُسین نے اصغرِ بے شِیر کو اپنی چادر میں چھپایا اور میدان کی طرف بڑھے۔عمرو ابن سعد نے للکارا:''حُسین مشکیزہ چادر میں چھپا کر لے جا رہے ہیں، مشکیزہ چھلنی کر دو۔'' سنسناتے ہوئے تیروں کی ایک باڑھ امام حُسین کی طرف آئی، امام حُسین نے گھبرا کر علی اصغر کو دِکھایا اور کہا:''ظالمو! میں پانی لینے نہیں جا رہا ہوں، میری پیاس تو اب نانا جان کے دستِ کرم سے بجھے گی، البتہ یہ ننھا بچہ تمہارے سامنے ہے۔اگر تم اِسے پانی پِلا دو تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ قیامت میں تمہیں کوثر سے ضرور سیراب کروں گا۔'' اِس درخواست کے جواب میں ایک سنسناتا ہوا تیر حلقومِ علی اصغر میں پیوست ہو گیا، اور امام حُسین کا ہاتھ خون سے بھر گیا۔امام نے خون فضا کی طرف اُچھالا اور خدا کی بارگاہ میں عرض کی:''مولا!

تُو دیکھ رہا ہے ظالموں نے ظلم کی انتہا کردی۔'' پھر آپ علی اصغر کا بے گناہ جسم لے کر خیمہ میں واپس آئے اور جناب شہر بانو سے کہا:
''شہر بانو! تمہاری ننھی قربانی بھی اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوگئی۔''

عابد بیمار کا عزمِ شہادت:

حضرت اصغر کی شہادت کے بعد حضرت امام حُسین نے خیمے کے اندر ایک انتہائی دردناک منظر ملاحظہ فرمایا، حضرت عابد بیمار تلوار کے سہارے اُٹھنے کی کوشش فرما رہے ہیں، پھر انہوں نے دیکھا کہ وہ اُٹھ گئے ہیں مگر ضعف اور نقاہت سے بیٹھ گئے ہیں۔ آپ اُن کے پاس تشریف لے گئے، اور اِرشاد فرمایا ''جانِ پدر! تمہیں کس چیز نے اُٹھنے پر مجبور کیا؟'' انہوں نے عرض کی: ''حضور میرے بھائی، میرے اعزّا سب شہید ہوگئے ہیں، میں اپنی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے میدانِ جنگ میں نہ جاسکا، مجھے میرا ضمیر ملامت کر رہا ہے کہ آخر میں آج ہی کیوں بیمار ہوگیا، مجھے بھی شہادت سے سرفراز کریں۔'' حضرت امام حُسین نے ارشاد فرمایا: ''میرے لختِ جگر! خدا کا کوئی کام مصلحت سے خالی نہیں ہے۔ اُس نے تم کو بیمار فرمایا ہے تو اِس میں اُس کی کوئی مصلحت ہوگی۔ تم میدانِ جہاد میں نہ جاؤ۔ شاید تمہارے ہی ذریعے سے رسول اللہ کی نسل قیامت تک رہے۔

فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے لال کی شہادت

اب چشمِ فلک وہ دردناک منظر دیکھنے والی تھی جس سے زیادہ دردناک منظر نہ اُس نے کبھی دیکھا ہوگا اور نہ آئندہ دیکھ سکے گی۔ حضرت امام حُسین نے اہلِ خیمہ کو آخری بار الوداع فرمایا اور آسمان کی طرف رُخ کر کے عرض کی:
''مولا! تیرے رسول کے نواسے کے ساتھ تیرے رسول کی اُمّت جو کچھ کر رہی ہے اُس کا شکوہ تیرے علاوہ کسی سے نہیں کیا جاسکتا۔ مولا! میری مجبوری اور مظلومی تُو دیکھ رہا ہے، تُو مجھے حق پر قائم رکھ۔''
یہ کہہ کر آپ نے مدِ مقابل طلب کیا۔ پہلے یکے بعد دیگرے کئی آدمی آپ نے قتل کردیے اور پھر پوری فوج نے تنہا آپ پر حملہ کردیا، مگر شیرِ خدا کے شیر حُسین ابنِ علی جس طرف بڑھتے لوگ بھیڑ کی طرح چھَٹ جاتے۔ آخر عمرو ابن سعد نے للکار کر کہا: ''اے لوگو! تمہیں کیا ہوگیا؟ حُسین ابن علی تنہا اور تین روز کا بھوکا پیاسا ہے۔ اگر تم کنکریاں پھینکو تو وہ دَب جائے مگر اس کے باوجود تم اب تک اسے شہید نہ کرسکے۔''
دُشمنوں کی فوج یک بارگی آپ پر ٹوٹ پڑی، ایک تیر آپ کے ہونٹوں میں لگا، اور خون بہنے لگا۔ دوسرا تیر آپ کے بازو میں پیوست ہوگیا۔ بالآخر آپ کی قوتِ مدافعت جواب دے گئی، آپ قبلہ رُخ ہوگئے، گویا خدا کے حضور میں آخری سجدہ فرمانا چاہتے ہیں۔ ذرعہ ابن شریک نے تلوار کا وار کیا جس سے آپ کا بازو کٹ گیا۔ سنان ابن انس نے آپ پر نیزے سے حملہ کیا اور جب آپ زمینِ کربلا پر سربہ سجدہ ہوئے تو سنان ابن انس نے آپ کا سرِ اقدس تنِ مبارک سے جُدا کردیا، خولی ابن یزید نے آپ کا سر نیزے پر بلند کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اب رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دوشِ اطہر کا سر دُشمنوں کے نیزے پر سوار تھا۔

کربلا کے بعد:

شہادت کے بعد اہلِ بیتِ حُسین کے خیموں میں آگ لگادی گئی۔ خواتین اور بچوں کو گرفتار کرلیا گیا اور امام حُسین کے سر سمیت اس مظلوم قافلے کو عبید اللہ ابن زیاد کے دربار میں پیش کیا گیا۔ ابن زیاد نے حضرت امام حُسین کے مقدس ہونٹوں کو اپنی

چھڑی سے چھیڑا تو ایک صحابیِ رسول تڑپ اُٹھے اور فرمایا:

''ظالم اپنی چھڑی ہٹالے، میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ بوسہ دیتے تھے۔''

پھر یہ لُٹا ہُوا شکستہ حال قافلہ دمشق پہنچا دیا گیا۔ یزید کو اطلاع مِل چکی تھی، کہ شہادتِ امام حُسین کا شدید ردِ عمل ہو رہا ہے اور جن علاقوں سے امام حُسین کا مظلوم قافلہ گذرتا ہے، لوگ اپنے دروازے بند کرلیتے ہیں، اِس لیے اُس نے ازراہِ مصلحت کہا:

''خدا لعنت کرے عبیداللہ ابن مرجانہ پر، اگر میں ہوتا تو حُسین کے ساتھ یہ سلوک نہ کرتا''......مگر اُس کے یہ جملے مگر مچھ کے آنسو کی طرح ہیں۔ آخر عبیداللہ ابن زیاد کو بھیجا کس نے تھا؟

کی مِرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زودِ پشیماں کا پشیماں ہونا

چند روز اپنے محل میں مہمان رکھ کر یزید نے شہدائے کربلا کے رشتے داروں کو مدینہ پہنچا دیا۔ یہ لُٹا ہوا قافلہ جب مدینے میں پہنچا تو ہر طرف کُہرام مچ گیا اور ہر طرف سے انتقام، انتقام کی صدا بلند ہونے لگی۔ چنانچہ جب عبداللہ ابن زبیر نے سُنا تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور انھوں نے طے کرلیا، میں خونِ حُسین کا انتقام ضرور لوں گا۔ مکہ میں آپ نے یزید کے خلاف جنگ پر لوگوں سے بیعت لی اور یزید کی فوج سے ایک زبردست جنگ ہوئی۔ اسی درمیان اطلاع ملی کہ یزید مر گیا۔ اس سلسلے میں یہ بات باعثِ عبرت ہے کہ یزید صرف دو سال برسرِ اقتدار رہا اور شہادتِ حُسین کے بعد اُس کو ایک لمحہ بھی سکون نہ مل سکا۔

قاتلانِ حُسین کا انجام:

سب سے زیادہ خطرناک انتقام مختار ابن ابوعبید ثقفی نے لیا۔ اُس نے ایک فوج اکٹھا کی۔ لوگ اس قدر مشتعل تھے کہ رضا کارانہ طور پر چند دنوں میں ایک عظیم الشان فوج اکٹھا ہوگئی۔ اُس نے کوفہ پر حملہ کر دیا اور قاتلانِ حُسین کو عبرت ناک شکست دی۔ جب قاتلانِ حسین شکست پا گئے تو مختار کے خوف سے اپنے گھروں میں چھپ گئے اور اُس نے ایک ایک کو گرفتار کرایا۔ جس میں عبیداللہ ابن زیاد، شمر ذی الجوشن، خولی سبھی شامل تھے۔ اُس نے ان تمام لوگوں کو تڑپا تڑپا کر قتل کروایا۔ اس طرح جس دُنیاوی اقتدار کی خواہش میں امام حُسین کو شہید کیا گیا تھا وہ بھی ان کو نہ مل سکا اور امام حُسین ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید ہو گئے ؎

زندہ ہوجاتے ہیں جو مرتے ہیں حق کے نام پر
اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کردیا

میدانِ کربلا کا پیغام مسلمانانِ عالَم کے نام

[۱] حضرت امام حُسین نے میدانِ کربلا میں شہید ہوکر دُنیا کو یہ پیغام دیا کہ حق کی خاطر جان دی جاسکتی ہے، مگر باطل کے سامنے گردن نہیں جھکائی جاسکتی۔

[۲] حق شہید ہوکر بھی زندہ رہتا ہے اور باطل کامیاب ہوکر بھی مٹ جاتا ہے۔

[۳] مسلمانانِ عالَم کو چاہیے کہ وہ بااُصول زندگی گذاریں اور اُصولوں کے خلاف کبھی سمجھوتہ نہ کریں،

[۴] باطل کبھی مصلحت کے بھیس میں آتا ہے اور کبھی اقتدار کی لالچ دیتا ہے، مگر حق پرست کو چاہیے کہ وہ مصلحت کے شیطان اور اقتدار کے عفریت کا سر کچل دے، اور حق کا بول بالا کرے۔

[۵] اسلام کی راہ میں حق کو بلند کرنے کے لیے اگر خاندان، اعزا و اقربا اور اولاد کی قربانی بھی دینی پڑے تو دریغ نہ کریں، کیوں کہ

ع

اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

[۶] امام حُسین نے اپنی اور اپنی اولاد کی قربانی پیش کر کے اُن اُصولوں کو بچالیا جنھیں یزید پامال کرنا چاہتا تھا اور جن کو رائج کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔ امام حُسین نے حدودِ شرعیہ کا تحفّظ کیا، اسلام کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی اور کلمہ لا الہ الا اللّٰہ کا تقاضہ پورا کیا ع

حقّا کہ بنائے لا الہ است حُسین

امام حُسین نے اپنے اس عمل سے دُنیاے اسلام کو یہ سبق دیا کہ کربلا ہر دور میں ہوگا۔ سیکڑوں یزید اسلام کو مٹانے کے لیے اُبھریں گے، مگر مسلمانانِ عالَم کو سُنّتِ حُسینی کو اپناتے ہوئے، اپنا سب کچھ قربان کرنا ہوگا، اور اگر وہ کامیاب ہوگئے تو فبہا ورنہ ان کی شہادت باطل کا چہرہ بے نقاب کردے گی اور پھر ظلم ہمیشہ کے لیے مٹ جائے گا۔ ؎

گرتے ہوئے نصیب کے ماروں کو تھام لے
اے دشتِ کربلا کے مجاہد سلام لے

[اشرفؔ القادری مبارک پوری]

☆☆☆